رسول کریم ﷺ کی خاموش سیرت گہرے پانی کی طرح ہے۔

عالمی بیعت بڑے عالمی جلسہ کی تیاری ہے۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۱۳ / اگست ۱۹۹۳ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد وتعوذ اور سورۂ فاتحہ کے بعد حضور انور نے درج ذیل آیات کریمہ تلاوت کیں:۔

قُلْ اِنَّنِیْ هَدٰىنِیْ رَبِّیْۤ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۚ دِیْنًا قِیَمًا مِّلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ حَنِیْفًا ۚ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ﴿۱۶۱﴾ قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُكِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۶۲﴾ (الانعام: ۱۶۲-۱۶۳)

پھر فرمایا:۔

تو ان سے کہہ دے یعنی حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ کو خطاب کر کے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تو ان سے کہہ دے کہ میرے رب نے یقیناً مجھے صراط مستقیم کی ہدایت دی ہے۔ دِیْنًا قِیَمًا مِّلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ حَنِیْفًا یہ وہ سیدھا، سیدھی راہ پر چلنے والا، خود قائم اور دوسروں کو قائم کرنے والا مذہب ہے۔ مِّلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ حَنِیْفًا جو ابراہیم علیہ السلام کی ملت ہے۔ یعنی ابراہیم علیہ السلام کی ملت کی تعریف یہ ہے کہ وہ دِیْنًا قِیَمًا ہے۔ خود بھی سیدھا ہے دوسروں کو بھی سیدھی راہ پر رکھنے والا ہے۔ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ اور ابراہیم علیہ السلام مشرکوں میں سے ہرگز نہیں تھا۔

جب یہ کہا جاتا ہے کہ وہ مشرکوں میں سے نہیں تھا تو عربی محاورے کے مطابق یہ بہت بڑی تعریف ہے۔ اردو میں ہم کسی کو کہیں کہ وہ چور نہیں ہے تو اس کو بہت غصہ آئے گا۔ کہے گا کہ ہیں! تم

نے وہم کیسے کیا کہ میں چوروں میں شمار ہوسکتا ہوں لیکن عربی میں جب یہ کہا جاتا ہے کہ وہ مشرکین میں سے نہیں ہے جس طرح خدا اپنے متعلق فرماتا ہے میں ظلم کرنے والا نہیں۔ اس کا مطلب ہے کہ شرک کا کوئی ذرّہ بھی، کوئی شائبہ بھی اس میں نہیں پایا جاتا تھا۔ کلیۃً نفی ہے اس لئے وہاں وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ بہت بڑی تعریف کا کلمہ بن جاتا ہے کہ ابراہیمؑ کی ذات میں شرک کا ادنیٰ سا شائبہ بھی نہیں تھا۔ اس کا وجود شرک سے کلیۃً پاک تھا۔ قُلْ اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے متعلق منفی رنگ میں جو تعریف فرمائی گئی یعنی ابراہیمؑ میں شرک کی کوئی آمیزش نہیں تھی، اس کا مثبت پہلو حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ کی ذات میں ثابت کر کے دکھایا گیا۔ یہ آنحضرت ﷺ کی بہت ہی عظیم تعریف کا ایک رنگ تھا جو اللہ تعالیٰ نے اختیار فرمایا۔ ابراہیم علیہ السلام کو شرک سے پاک قرار دینے کے بعد حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ کو ان مقامات پر فائز دکھایا گیا جو شرک سے پاک ہونے کے بعد عطا ہوتے ہیں۔ چنانچہ فرمایا۔ اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ۔ دیکھو میری تو تمام تر عبادتیں اور ہر قسم کی قربانیاں۔ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ۔ میرا جینا، میرا مرنا، میری زندگی، میری موت سب کچھ اللہ کے لئے ہو چکا ہے۔ پس شرک کی نفی انسان کو جس چیز کے لئے تیار کرتی ہے۔ وہ تمام صفات حسنہ حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ میں پائی جاتی تھیں یعنی پہلے غیر اللہ سے تختی صاف کی، پھر اس تختی پر ہر جگہ خدا کے رنگ بھر دیئے۔ یہ توحید کا وہ مضمون ہے جس سے متعلق آج میں کچھ اور امور آپ کے سامنے رکھ رہا ہوں لیکن اس سے پہلے کچھ دوسری باتیں جو ہفتے کے دوران ہوتی رہتی ہیں وہ اپنی طرف توجہ کھینچتی ہیں اور حق رکھتی ہیں ان کا ذکر ضرور کیا جائے۔

اس سلسلہ میں جماعت احمدیہ ناروے کی طرف سے مجھے یہ تاکیدی پیغام ملا ہے کہ ہماری سالانہ فضل عمر تعلیم القرآن کلاس آج ۱۳ / اگست سے شروع ہو کر ۱۵ / اگست تک جاری رہے گی۔ اس موقع پر ہمیں بھی پیغام بھیجیں تا کہ ہمارے دل خوش ہوں۔

مجلس خدام الاحمدیہ فرانس کا ساتواں سالانہ اجتماع ۱۴ / اگست یعنی کل سے شروع ہو رہا ہے۔ یہ اجتماع دو روزہ ہے اور صدر صاحب مجلس خدام الاحمدیہ نے خواہش کی ہے کہ آپ خود تشریف لائیں ورنہ پھر کم سے کم خطبہ میں تو ضرور ذکر کریں۔ یہ دوسرا پہلو ہے جو میں انشاء اللہ قبول کر سکتا ہوں۔

مجلس خدام الاحمدیہ امریکہ کا سالانہ مرکزی اجتماع ۱۳۔۱۴۔۱۵ / اگست کو منعقد ہو رہا ہے۔ صدر صاحب خدام الاحمدیہ امریکہ نے اجتماع کی کامیابی کے لئے دعا کی درخواست کی ہے۔

مجلس خدام الاحمدیہ ضلع کوئٹہ کا سالانہ اجتماع ۱۴ / اگست کو شروع ہو رہا ہے۔ قائد صاحب ضلع کوئٹہ نے اجتماع کے حوالے سے مجھ سے کچھ کہنے کی خواہش کا اظہار کیا ہے۔

ان تمام اجتماعات سے متعلق میں ایک مرکزی بات جماعت کے سامنے رکھنا چاہتا ہوں یہ سب تربیتی اجتماعات ہیں اور آج کل جبکہ خدا تعالیٰ کے فضل کے ساتھ جماعت دنیا میں بکثرت پھیل رہی ہے اور رفتار تیز تر ہوتی چلی جارہی ہے تربیت کی طرف پہلے سے زیادہ گہری نظر کے ساتھ اور مستقل مزاجی کے ساتھ توجہ دینی ہوگی۔

مجھے بچپن سے مختلف قسم کے تربیتی اجتماعات میں شامل ہونے کی بھی توفیق ملتی رہی اور وہ اجتماعات منعقد کروانے کی بھی توفیق ملتی رہی۔ مختلف جماعتی ذمہ داریوں میں یہ تجربے اطفال الاحمدیہ سے لے کر انصار اللہ تک کی عمر تک دراز ہیں۔ میں نے ایک بات جو ہمیشہ محسوس کی اور اس کی وجہ سے طبیعت میں اطمینان نہیں ہوسکا کہ اجتماعات پوری طرح فائدہ مند ہیں بھی کہ نہیں، وہ یہ تھی کہ اجتماعات میں ضرورت سے زیادہ پروگرام بھر دیئے جاتے تھے اور کوشش کی جاتی تھی کہ تین دن میں سب کچھ پڑھا دیں۔ قرآن کریم کا کورس، حدیث کا کورس، حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشادات کا کورس، نمازیں یاد کروانا، تبلیغ کے گر بتانا، تبلیغ کی مرکزی آیات بتانا، اعتراضات کے جواب سکھانا، یہ ناممکن ہے۔ ہو ہی نہیں سکتا کہ تین دن یا پندرہ دن کے اجتماع میں بھی یہ ساری باتیں اچھی طرح بچوں کے ذہن نشین کرادی جائیں۔ پھر وہ سرسری سے امتحان ہوتے تھے اور پھر انعامات تقسیم ہو گئے اور سب نے حبّـــذا کہا اور چھٹی ہوگئی۔ کچھ دن کے بعد جب آپ ان بچوں سے جا کر پوچھیں کہ کچھ یاد بھی ہے تو شاید ہی کوئی ہوگا جسے یاد ہوگا اور وہی ہوگا جسے پہلے ہی یاد تھا۔

اجتماع کے بعد اس تین دن کے تیزی کے ساتھ گھوٹنے والے پروگراموں میں بچوں کو کچھ بھی یاد نہیں رہتا۔ ہاں ایک روحانی لذت ضرور ہوتی ہے۔ اجتماع میں شمولیت کی برکت ضرور عطا ہوتی ہیں۔ اس لئے اجتماع کو بے فائدہ کہنا تو یقیناً غلط ہے مگر پروگرام اس ذہانت سے ترتیب نہیں دیئے جاتے کہ تھوڑے وقت میں زیادہ سے زیادہ استفادہ ہو سکے۔ تھوڑے وقت میں زیادہ سے زیادہ

استفادہ کرنے کے لئے زیادہ سے زیادہ پروگرام نہیں بلکہ کم سے کم پروگرام رکھنے چاہئیں۔ یہ دو چیزیں ایک دوسرے سے ضد رکھتی ہیں تھوڑے وقت میں زیادہ سے زیادہ پروگرام کم سے کم افادہ کریں گے یعنی فائدہ پہنچائیں گے اور کم سے کم پروگرام جن کو بڑی محنت کے ساتھ اور عقل کے ساتھ تیار کیا گیا ہو اور بار بار رواں کروایا جائے تو یہ پروگرام بہت گہرا فائدہ پہنچا سکتے ہیں لیکن اس شرط کے ساتھ کہ ان کو سال بھر کا Home Task دیا جائے۔ ہمارے ہاں سکولوں میں بھی استاد سمجھتے تھے کہ ایک گھنٹے کی پڑھائی یا چالیس منٹ کی پڑھائی کافی نہیں ہے۔ اس لئے وہ گھر کا کام دیا کرتے تھے۔ یورپ میں یہ رواج بہت زیادہ ہے۔ جتنا کام وہاں دیا جاتا تھا اس سے بہت زیادہ کام یورپ میں گھر پر دیا جاتا ہے۔ تمام یونیورسٹیاں یہی کرتی ہیں کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ جب تک بچہ گھر جا کر خود ذمہ داری اور توجہ سے ان باتوں کو سمجھنے اور پڑھنے کی کوشش نہیں کرے گا۔ اس وقت تک محض کلاس کا پڑھا ہوا کافی نہیں ہے۔

تین دن کے جو اجتماعات ہیں ان میں تو بچے کو زائد وقت ملتا ہی نہیں۔ ناممکن ہے کہ وہ رات گیارہ بجے تک مصروف رہے اور پھر صبح چار بجے اس کو تہجد پر بھی اٹھانا ہو اور بیچ میں وہ گھر کے کام کی تیاری بھی کرے اس لئے حقیقت پسندی بہت ہی ضروری چیز ہے۔ ساری دنیا کے اجتماعات کو حکمت سے بھر دیں، عقل کے مطابق کام کریں، یہ بات یاد رکھیں کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا (البقرہ: ۲۸۷)۔ اللہ تعالیٰ کسی جان پر اس کی طاقت سے بڑھ کر بوجھ نہیں ڈالتا۔ اس لئے آپ اگر اجتماع میں شامل ہونے والے یا تربیتی کلاسز پر آنے والے بچوں پر یا بڑوں پر ان کی طاقت سے بڑھ کر بوجھ ڈالیں گے تو ایک قسم کی خدائی کا دعویٰ کرنے والی بات ہے۔ جو جھوٹی خدائی ہے کیونکہ سچا خدا تو بوجھ نہیں ڈالتا۔ یہ جھوٹے خدا ہی ہیں جو اپنی بے وقوفی سے بوجھ ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں۔ میں نے لفظ تو بہت سخت بولا لیکن جو آخری تجزیہ ہے وہ یہی بنتا ہے۔ انسان جب بھی خدا کی صفات سے ہٹ کر قدم اٹھاتا ہے تو عملاً ایک قسم کا جھوٹا خدا ہونے کا دعویٰ کرتا ہے اگر چہ وہ بالارادہ نہ بھی ہو اگر بالارادہ ہو تو وہ شرک ہے اور بہت بڑا گناہ ہے لیکن اگر غفلت کی حالت میں ناسمجھی میں کیا جائے تو شرک تو نہیں مگر شرک کے نقصانات ضرور رکھتا ہے کیونکہ انسان کو غیر اللہ سے کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔ صفات باری تعالیٰ سے ہٹ کر آپ جو بھی کام کریں گے

اس میں فائدے سے محروم رہ جائیں گے۔

اس لئے تربیتی اجتماعات کو اس رنگ میں ترتیب دیں کہ جو کچھ وہاں پڑھائیں اس میں صرف نمونہ دیں اور وہ نمونے اتنے پکا دیں اور اس محبت سے پڑھائیں کہ وہ نمونے ذہن نشین بھی ہوں اور دلنشین بھی ہوں۔ ان سے پیار ہو جائے۔ مثلاً اگر آپ ساری نماز نہیں پڑھا سکتے تو سورہ فاتحہ پڑھائیں اور اتنا پڑھائیں اور اس طرح بار بار پڑھائیں کہ اس کے معانی سے محبت ہو جائے اور اس کا مضمون ذہن میں نقش ہو جائے وہ یاد ہو اور اس طرح یاد ہو کہ پڑھنے کے ساتھ ذہن کو ترجمہ نہ کرنا پڑے بلکہ عربی الفاظ کے ساتھ ساتھ ہی وہ ترجمہ ذہن میں نقش ہو۔ ایک انسان کو جب سورۃ فاتحہ سے محبت پیدا ہو جاتی ہے تو باقی نماز کے لئے سورۃ فاتحہ رستہ صاف کرتی ہے اور صراط مستقیم کا ایک یہ مطلب ہے۔ سورہ فاتحہ میں وہ صراط مستقیم ہے جس پر ایک دفعہ ڈالا جائے تو انسان کے قدم وہاں رکتے نہیں ہیں کہ جہاں تک ہاتھ پکڑ کر لے گئے وہاں جا کر کھڑے ہو گئے بلکہ صراط مستقیم وہ صراط ہے جس کا سلسلہ انبیاءؑ تک چلتا ہے۔ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ (الفاتحہ:۷) حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ تک دراز ہیں۔ وہ سارے سفر جو آپ نے صراط مستقیم میں روحانیت کے طے کئے ہیں اور جن کا ذکر اس آیت کریمہ میں بھی آیا ہے جو میں نے ابھی پڑھ کر سنائی ہے۔ وہ صراط مستقیم وہی ہے جس کا سورہ فاتحہ میں ذکر ملتا ہے۔ پس سورۃ فاتحہ پر زور دیں اور بہت محنت کے ساتھ، عقل کے ساتھ، محبت کے ساتھ ذہن نشین کرائیں، دل نشین کرائیں تو پھر عبادت کے جو باقی حصے ہیں وہ سورہ فاتحہ ہاتھ پکڑ کر آپ ہی آگے چلا دے گی۔ پھر Home Task کے طور پر ان کو دیں۔ ان کو کہیں کہ یہ ہم نے تمہیں یہاں سکھایا ہے۔ باقی نماز تمہیں نہیں آتی اب تم گھروں کو جاؤ، تو جہاں جہاں بھی خدام الاحمدیہ کی تنظیم ہے یا انصار اللہ کی تنظیم ہے یا جماعتی تنظیم ہے (اس کے تابع اگر انتظام ہو رہا ہے تو) ان کو وہ ہدایت کریں کہ ان کو Take Over کر لو۔ ہم نے اتنا پڑھا کر بھیج دیا ہے آگے تم سنبھالو اور اس سے آگے نگرانی میں پڑھانا یہ مقامی طور پر تمہارا کام ہوگا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ تین دن کا جو پروگرام ہے وہ ایک سال تک بھی ممتدّ ہو سکتا ہے وہ تخم ریزی ہے جو آپ ان تربیتی اجتماعات میں کر سکتے ہیں جس سے آگے نشوونما ہو سکتی ہے مگر آپ نے اگر چند دنوں میں درخت کھڑے کرنے کی کوشش کی تو سارے درخت مرجائیں گے۔ وہ جڑ نہیں پکڑ سکتے، بیج

لگانے کی کوشش کریں اور تربیتی نقطہ نگاہ سے بھی بیج کی حد تک رہیں۔ عبادتوں کے قیام سے متعلق ایسی تلقین اور عبادت کے آداب سے متعلق ایسی تلقین کہ اس سے محبت پیدا ہو اور زبردستی نماز پر بلانے کی ضرورت نہ پڑے بلکہ اجتماع میں شوق پیدا ہو جائے اور خود بخود لوگ نمازوں پر قائم ہو جائیں۔ تھوڑا حصہ اپنے پیش نظر رکھیں اور اس تھوڑے کو دائمی بنانے کی کوشش کریں۔ اگر آپ دعا کے ساتھ یہ کام کریں گے اور دعا کی اہمیت بھی دلوں میں جاگزیں کریں گے تو یہ جو چند دنوں کے پروگرام ہیں یہ اللہ کے فضل کے ساتھ ان کی ساری نسل کے پروگرام بن سکتے ہیں، اس پوری صدی کا پروگرام بن سکتا ہے۔ اس لئے میں امید رکھتا ہوں کہ ان سارے اجتماعات کے لئے اگر پہلے لمبے چوڑے پروگرام مقرر کئے بھی جا چکے ہوں تو میری اس مختصر ہدایت کی روشنی میں حقیقت پسندانہ پروگرام بنائیں اور جیسا کہ میں نے کہا ہے وہی کوشش کریں کہ یہ پروگرام جاری ہو جائیں، سارے سال کے لئے شامل ہونے والوں کو فائدے پہنچائیں اور جب یہ آئندہ کلاس میں آئیں تو ان کی کیفیت بدل چکی ہو۔ اس سے بھی اگلے درجے کے طالب علم آپ تک پہنچیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں معنی خیز پروگراموں کو خدا کی عطا کردہ توفیق کے مطابق بہت ہی زیادہ فائدہ مند بنانے کی ہمت عطا فرمائے۔ (امین)

جلسہ سالانہ کے سلسلہ میں جیسا کہ میں نے پہلے بھی آپ کی خدمت میں چند مثالیں رکھی تھیں اب دنیا سے کثرت سے خط بھی آنے شروع ہوئے ہیں اور جماعت کی طرف سے رپورٹیں بھی آرہی ہیں کہ اللہ کے فضل سے سب دنیا پر اتنا گہرا اثر پڑا ہے کہ اس سے پہلے اس کی کوئی اور مثال ہمیں اپنی زندگی میں دکھائی نہیں دیتی اور جنہوں نے دیکھا ان میں ہر جگہ یہی تڑپ پیدا ہوئی ہے کہ کاش ہم وہاں ہوتے۔ یعنی یہ نہیں کہا کہ شکر ہے ہم نے بھی دیکھ لیا، شکر تو ضرور کیا ہوگا لیکن ساتھ ہی یہ تڑپ پیدا ہوئی ہے کہ اوہو۔ ہو۔ ہو، یہ تو صرف ٹیلی ویژن والا پروگرام نہیں تھا۔ وہاں تو شامل ہونا چاہئے تھا۔ خوش قسمت ہیں وہ جو وہاں پہنچے۔ چنانچہ مجھے آپ سب کے لئے مبارک باد کے پیغام بھی مل رہے ہیں کہ ہماری طرف سے ان کو مبارک باد دیں۔ الحمد للہ۔ اللہ نے ان خوش نصیبوں کو توفیق بخشی اور خدا ہمیں بھی توفیق بخشے کہ آئندہ ایسے پروگراموں میں شرکت کر سکیں۔ (امین)

ایک شخص نے تو بہت حکمت کی بات کہی ہے۔ اس نے کہا یہ عالمی بیعت دراصل بہت بڑے عالمی جلسے کی تیاری ہے اور مجھے تو اس سے یہ پیغام ملا ہے کہ اب ہمیں بہت وسیع عالمی جلسے کی

تیاری کرنی چاہئے۔ جس کی دنیا میں کوئی نظیر نہیں ہوگی۔ بات سچی ہے۔ میں بھی یہی سمجھتا ہوں تو دعائیں کریں کہ اللہ تعالیٰ اس جلسہ کی تیاری اس رنگ میں کرنے کی توفیق بخشے۔ انتظامی تربیت تو اللہ کے فضل سے ہو رہی ہے۔ خدا سے ہم یہی امیدیں لگائے بیٹھے ہیں۔ یہی دعا ہوتی ہے کہ جماعت کے انتظام بہتر سے بہتر ہوتے چلے جائیں مگر آنے والوں کی روحانی مہمان نوازی، ان کی دینی تربیت کی صلاحیت پیدا کرنا اور ان اجتماعات کو ایک عظیم روحانی اجتماع میں تبدیل کرنا یہ ہمارا اوّل مقصد ہے اور اسی مقصد پر نگاہ مرکوز رہنی چاہئے۔ اس مقصد کو ہمیشہ نظر کے سامنے رکھتے ہوئے دعائیں کریں کہ خدا ہمیں اس طرح کے عالمی جلسوں کی توفیق بخشے جو دنیا کے لحاظ سے بھی نظیر نہ رکھتے ہوں اور دین کے لحاظ سے بھی نظیر نہ رکھتے ہوں۔ امین۔

اس سلسلہ میں مکرم امیر صاحب کینیڈا کے خط کے بعض دلچسپ اقتباسات آپ کے سامنے رکھتا ہوں۔ تفصیلی خط ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ اتنی جلدی اس پروگرام میں دلچسپی پیدا ہونی شروع ہوئی کہ ٹورانٹو ہی میں خدا تعالیٰ کے فضل کے ساتھ مسجد میں حاضری دو ہزار سے تجاوز کر گئی یعنی بڑی دور دور سے، ٹورانٹو کے علاقے سے دور دور سے دو ہزار احمدی مرد و زن بچے شامل ہوتے رہے اور بیچ کے جو ناغے تھے ان کو ہم نے قرآن، درس حدیث، درس ملفوظات سے سجایا۔ بہت ہی اچھا پروگرام بنایا، ایک بہت ہی دلکش مقامی جلسہ بن گیا جو ایک پہلو سے عالمی جلسے کا بھی حصہ تھا اور ایک پہلو سے مقامی جلسہ بنا ہوا تھا۔ ان کے لئے پھر خاطر مدارات کے بھی انتظام، لنگر خانہ مسیح موعود علیہ السلام جاری ہوا، Marquees لگ گئیں۔ گویا کہ بہت ہی رونقیں لگیں اور کہتے ہیں کہ اتنا روحانی لطف آیا کہ الفاظ نہیں ہیں جو بیان کیا جا سکے۔ کہتے ہیں کہ افتتاحی تقریر کے بعد جس میں غالباً یہ اشارہ تھا کہ آئندہ کیا آنے والا ہے۔ کہتے ہیں کہ لوگ سخت بیتاب ہوئے اور اس خواہش کا اظہار کرتے تھے کہ کاش ہم بھی اسلام آباد پہنچ جائیں۔ ایک دوست کی حالت تو ایسی غیر ہوئی کہ گلے لگ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔ بار بار کہتے تھے کہ کاش میرے پَر ہوں، میں بھی اڑ کر وہاں پہنچ جاؤں، ایک دوست نے اگلے روز بتایا کہ وہ ائیر پورٹ جا کر ساری رات کوشش کرتے رہے کہ کوئی جہاز مل جائے تو میں پہنچ جاؤں۔ لیکن آج کل جہازوں پر مسافروں کا بہت دباؤ ہے کیونکہ چھٹیاں ہیں اور یہ سفروں کے موسم ہیں۔ اس لئے آج کل مغرب میں سفر بہت مشکل ہو گیا ہے اور اگر پہلے بکنگ نہ کروائی جائے تو سیٹیں آسانی سے

نہیں ملتیں۔ بہر حال ان کو مجبوراً واپس آنا پڑا۔

اس کے بعد انہوں نے بعض اور باتیں لکھی ہیں۔ ایک بات انہوں نے یہ لکھی ہے جس کی طرف میں خصوصیت سے آپ کو بھی متوجہ کرنا چاہتا ہوں وہ کہتے ہیں کہ آپ نے اس دوران توحید کے ضمن میں یہ کہا کہ بعض لوگ جو مجھے کہتے ہیں کہ آپ کی دعا سے یہ ہوا، آپ کی دعا سے وہ ہوا، اس سے مجھے بہت تکلیف پہنچتی ہے۔ اللہ کے فضل کی باتیں کیا کرو۔ کہتے ہیں یہ بات درست ہے لیکن یہ بات بھی درست ہے کہ مثلاً ہم نے کوششیں کیں، دعائیں کیں لیکن کام نہیں بنے۔ آپ کو لکھا اور دعا کا جو جواب آیا اس سے بھی صاف پتا لگتا تھا کہ کچھ ہونے والا ہے اور ناممکن ہوتا ہوا کام ممکن ہو گیا اور خدا کی طرف سے ہماری اس رنگ میں بڑی حوصلہ افزائی ہوئی کہ خلافت سے تعلق اور دعاؤں کے نتیجہ میں ہمارے رکے ہوئے کام بھی چل پڑتے ہیں تو یہ حقیقت بھی سامنے ہے اور ادھر آپ کی نصیحت بھی ہے اب بتائیں ہم کیا کریں۔

اصل واقعہ یہ ہے کہ قبولیت دعا سے وہ انکار نہیں تھا۔ مجھے یاد ہے کئی دفعہ حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ کے زمانہ میں مختلف وقتوں میں بعض مشکلات آپڑتی تھیں۔ بعض مسائل لاینحل دکھائی دیتے تھے۔ خود دعائیں کیں اور کوئی فرق نہ پڑا۔ ایک موقع خاص طور پر مجھے یاد ہے۔ میں دفتر وقف جدید میں بیٹھا کام کر رہا تھا کہ اچانک مجھے یہ خیال آیا کہ اب تک حضرت خلیفۃ المسیح کی خدمت میں دعا کے لئے نہیں لکھا۔ چنانچہ دعا کے لئے لکھا اور دوسرے دن جواب آیا اور جواب کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ سارا رکا ہوا کام بن گیا۔ ساری مشکل حل ہو گئی تو یہ واقعات درست ہیں اور اس میں کسی بندے کی ذات کا سوال نہیں ہے، بعض مناصب پر اللہ تعالیٰ کی نظر ہے اور ان کا احترام دنیا میں قائم کرنے کے لئے، ان سے تعلق قائم کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ غیر معمولی طور پر رحمت فرماتا ہے۔ پس جب تک میں حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کا ایک ادنیٰ غلام اور چاکر تھا میں آپ کی دعاؤں سے مدد حاصل کرتا رہا اور میں نے بہت برکتیں دیکھیں۔ پس اس حقیقت سے میں ہرگز انکار نہیں کر رہا۔ اس کے علاوہ سلسلہ کے بہت سے بزرگ ہیں جن کو میں جانتا ہوں۔ خود میں نے بھی ان کو دعاؤں کے لئے لکھا ہے اور ان کی برکتوں سے فیضیاب ہوا ہوں، اب بھی مجھے لکھنے میں نہ صرف عار نہیں بلکہ میں سمجھتا ہوں کہ ضروری ہے کہ بزرگوں کو جن کا خدا سے تعلق محسوس ہو۔ ان کو دعا کے لئے

لکھا جائے اور ہر طرف دعا کا یہ انتشار کیا جائے۔ یہ جماعت احمدیہ کا تشخص ہے۔ آج دنیا میں جماعت احمدیہ کے سوا کوئی جماعت نہیں ہے جہاں اس کثرت سے، اس تکرار سے اور اس یقین کے ساتھ دعاؤں کے چرچے ہوں اور دعاؤں کے لئے ایک دوسرے سے درخواستیں کی جارہی ہوں۔ پس یہ ہرگز مراد نہیں ہے کہ دعا میں کچھ بھی نہیں ہے۔ دعا خدا تعالیٰ کے فضل جذب کرنے کا ایک ذریعہ ضرور ہے اور قطعی ذریعہ ہے اور اتنا اہم ذریعہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر دعا نہ ہوتی تو مجھے تمہاری کچھ بھی پرواہ نہیں تھی۔ پس دعا سے انکار نہیں تھا لیکن کہنے کے ڈھب ہوتے ہیں اور اگر ایک شخص خصوصیت سے اس طرح بات کرتا ہو کہ ذہن میں یہ تکلیف دِہ خیال جگہ پا جائے کہ یہ مجھے خاص طور پر اٹھا رہا ہے اور گویا میرا مرتبہ بڑھا کر پیش کر رہا ہے، مجھے بتا رہا ہے کہ سب کچھ آپ کی دعا سے ہوا اور بار بار اس بات کی تکرار کرتا ہے، کہنے کا انداز ہوتا ہے۔ اس صورت میں شدید تکلیف پہنچتی ہے۔ میں نے دیکھا ہے بعض دفعہ لوگ کہتے ہیں کہ جناب آپ کی دعا سے میں سن لیتا ہوں لیکن کہنے کی طرز مجھے پسند نہیں آتی۔ میرا دل چاہتا ہے کہ یہ کہیں کہ اللہ نے فضل فرمایا۔ آپ کی دعا قبول کر لی۔ یہ بے شک کہیں کہ مشکل میں تھے، اللہ نے بہت فضل فرمایا، آپ کی عاجزانہ دعا کو پایۂ قبولیت میں جگہ بخشی اور اس کے نتیجہ میں رحم فرمایا۔ یہاں تک تو کوئی شرک والی بات نہیں، لیکن خدا کا ذکر ہی نہ آئے اور بار بار کہا جائے آپ کی دعا۔ آپ کی دعا۔ اس سے تو اعصاب ٹوٹ جاتے ہیں اور بعض دفعہ میں اس سے جان بوجھ کر عدم توجہ کرتا ہوں کیونکہ یہ کہنا بھی جائز نہیں ہے، مناسب نہیں ہے کہ اس کو کہا جائے کہ نعوذ باللہ تم نے ایک مشرکانہ رنگ اختیار کیا ہے کیونکہ وہ بے چارا کہہ تو یہی رہا ہے نا کہ اللہ نے دعا قبول کی، اس کی دل آزاری نہ ہو جائے، اس لئے میں اعراض کرتا ہوں اور اعراض کرتا ہوں تو سمجھتے ہیں کہ میں نے سنا ہی نہیں۔

چنانچہ ہر آدمی تو نہیں لیکن بعض ایسا کرتے ہیں کہ پھر بار بار وہی بات کرتے چلے جاتے ہیں، تو یہ سارے تلخ تجربے میرے پیشِ نظر تھے جن کو ملحوظ رکھتے ہوئے میں نے نصیحت کی تھی کہ صرف مجھے ہی نہیں اوروں کو بھی جن کی دعا قبول ہوتی ہے شکریہ کے طور پر بے شک کہہ دیں کہ اللہ تعالیٰ نے بڑا احسان فرمایا کہ ہم نے آپ کو بھی دعا کے لئے لکھا تھا۔ خدا نے آپ کی دعا بھی قبول فرمائی ہوگی اور اس سلسلہ میں جہاں تک آپ کی دعا کا تعلق ہے، ہم آپ کے ممنون ہیں لیکن اصل

احسان خدا ہی کا ہے۔ پس اللہ کے احسان کو ہمیشہ غالب رکھیں اور اتنا نمایاں طور پر غالب رکھیں کہ آپ کے ذہن کے بھی کسی گوشے میں یہ خیال نہ پیدا ہو کہ کوئی بزرگ آپ کا اس رنگ میں وسیلہ بنا ہے۔ جیسے دنیا کے دوسرے مذاہب میں بزرگ پرستی شروع ہوگئی ہے، آج نہیں تو کل یہ چیز بزرگ پرستی میں تبدیل ہوسکتی ہے اور بزرگ پرستی سے تو مجھے ایسی نفرت ہے کہ خدا نے میری طبیعت میں اس کے خلاف اشتعال رکھ دیا ہے۔ میں برداشت ہی نہیں کرسکتا کہ دنیا میں بزرگ پرستی کی جائے میں تو آپ سے یہ توقع رکھتا ہوں کہ آپ سب اولیاء اللہ بنیں بہت مزہ آتا ہے جب دعا گو مربی لکھتے ہیں کہ افریقہ کے جنگلوں میں یہ ہو رہا تھا اور ہم بالکل عاجز آ گئے تھے۔ تو ہم نے عاجزانہ دعا کی اور خدا نے اس طرح نشان دکھایا۔ یہ تو بہت مزے کی بات ہے اور دل خوش ہو جاتا ہے لیکن بزرگ پرستی کا رنگ اختیار نہ کریں خواہ میری ذات سے متعلق ہی ہو کیونکہ یہ آئندہ نسلوں کی تباہی کا موجب بن سکتی ہے۔ مرتبہ وہی ہے جو خدا کا مرتبہ ہے۔ اس کے بعد سارے مرتبے اس کے تعلق سے بنتے ہیں اور اس اوّلیت کو اور اس ثانویت کو اتنا واضح طور پر پیش نظر رکھنا چاہئے کہ شرک کو نہ تصور میں، نہ عمل میں داخل ہونے کی کوئی گنجائش ہی باقی نہ رہے۔ اپنے آپ کو شرک سے کلیۃً پاک کریں۔

پس یہی وہ توحید کا مضمون ہے جو میں آپ کے سامنے پیش کر رہا ہوں۔ حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ کے متعلق قرآن کریم نے یہ گواہی دی ہے کہ اے محمد! تو یہ اعلان کر۔ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ کہ میری عبادتیں اور میری تمام تر قربانیاں، میری زندگی اور موت، میرا مرنا، جینا، سب کچھ اللہ ہی کے لئے ہو چکا ہے۔ اس مضمون کا اطلاق آپؐ کی زندگی کے ہر شعبے پر مکمل تھا۔ اس آیت کی راجدھانی آپؐ کی مکمل ذات پر تھی، آپؐ کی ذات کا ایک ذرہ بھی اس آیت کے عمل سے باہر نہیں تھا، آپؐ کا وجود کامل طور پر اس آیت کے تابع زندگی بسر کر رہا تھا۔

اس ضمن میں جو گواہیاں کثرت سے ملتی ہیں ان میں سے ایک حضرت عائشہ صدیقہؓ کی حدیث ہے۔ چھوٹی چھوٹی باتیں بیان ہوئی ہیں مگر غور طلب بات یہ ہے کہ یہ چھوٹی چھوٹی چیزیں بھی ایسی ہیں جن میں انسان عموماً سمجھتا ہے کہ چھوٹی سی باتوں میں اگر خدا کی مرضی سے ہٹ بھی جایا جائے تو کوئی حرج نہیں۔ حالانکہ بعض دفعہ چھوٹی باتوں میں اطاعت زیادہ عظمت کا نشان ہے اور توحید پرستی کی زیادہ علامت بن جاتا ہے۔ آنحضرت ﷺ کے متعلق حضرت عائشہؓ بیان فرماتی ہیں کہ آپؐ نے

کبھی کسی کو نہیں مارا نہ کسی عورت کو، نہ خادم کو البتہ اللہ تعالیٰ کے رستہ میں خوب جہاد کیا ہے۔ (مسلم کتاب الفضائل حدیث نمبر: ۴۲۹۶) یعنی مزاج ایسا تھا کہ کسی کے اوپر ہاتھ نہیں اٹھانا چاہتے تھے لیکن خدا کے رستے میں جہاد بہت کیا جس کا مطلب یہ ہے کہ دراصل آپؐ کی نرمی بھی خدا کی خاطر تھی اور آپؐ کی سختی بھی خدا کی خاطر تھی۔ ایک پہلو جو اس میں بیان ہونے سے رہ گیا ہے وہ یہ ہے کہ کبھی کسی کو نہیں مارا تو کیوں نہیں مارا؟ اللہ کی وجہ سے۔ اللہ کی محبت سے اور اللہ کے خوف سے کیونکہ یہ بات کہ نہ مارنے کا تعلق خدا کے خوف سے تھا یہ حضرت ابی مسعودؓ کی ایک روایت ہے کہ وہ ایک دفعہ کسی غلام کو مار رہے تھے، اس سے کوئی بہت نازیبا حرکت ہوئی تھی، تو حضرت رسول اللہ ﷺ اس طرف بڑھے اور خدا کا خوف دلایا کہ یہ کیا کر رہے ہو۔ آپؐ کی آواز میں ایسا جلال تھا کہ حضرت ابی مسعودؓ نے عرض کی کہ یا رسول اللہ میں اس غلام کو آزاد کرتا ہوں۔ آپؐ نے فرمایا۔ اگر نہ کرتے تو جہنم کا خطرہ تھا یعنی میں تمہیں جہنم کی آگ سے ڈراتا ہوں۔ (مسلم کتاب الایمان) اس کا مطلب ہے کہ آپؐ کا مارسے رکنا اللہ کے جلال کی وجہ سے تھا اور دوسروں کو جب آپؐ نے اس طرح کمزوروں پر ہاتھ اٹھاتے ہوئے دیکھا تو اس وقت آپؐ کے دل کی نیت کھل کر باہر آ گئی۔ پس جیسا کہ میں نے پہلے بھی کئی بار آپ کو نصیحت کی ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی خاموش سیرت گہرے پانی کی طرح ہے۔ اس میں ڈوب کر آپؐ کے حسن و جمال کا اندازہ کریں تو حیران ہو جائیں گے کہ ان خاموش اداؤں میں خدا کی کتنی گہری محبت پائی جاتی تھی اور توحید کتنی زیادہ اس میں جلوہ گر تھی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ کی سیرت کا عرفان عطا فرمائے کیونکہ اگر سیرت کا عرفان ہو جائے تو ہماری زندگیوں کے نقشے بدل سکتے ہیں۔

اللہ کی خاطر جہاد کیا ہے مراد یہ ہے کہ جہاں خدا کی خاطر سختی کرنی پڑی ہے وہاں ضرور کی ہے اور وہ مثال نظر آتی ہے جو میں نے پہلے بیان کی تھی یعنی حدود کے اطلاق میں کوئی نرمی نہیں کی۔ اتنا نرم دل تھا کہ کسی کو ادنیٰ سی تکلیف بھی نہیں پہنچا سکتے تھے مگر جب اللہ تعالیٰ کی حدود کا سوال ہوا ہے تو دل کو پتھر کر لیا اور خدا کی رضا کی خاطر وہ سزا دی کہ آپؐ کی ذات کے ساتھ اس سزا کا کوئی دور کا بھی تعلق نہیں تھا۔ یعنی ایسی سزائیں کہ جن کو سنتے ہیں تو آج بھی دل دہلتا ہے کہ اتنی سخت سزا ہے اور جاری کرنے والا وہ ہے وہ جو دنیا میں سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔ اس ذات کو اس سزا کے نتیجہ میں جو تکلیف پہنچتی ہوگی۔ یہ بھی وہ خاموش سیرت ہے، جس کا بیان ہمیں نہیں ملتا مگر آنحضرت ﷺ

جب بھی کوئی سزا نافذ کرتے تھے تو چونکہ یہ آپؐ کی فطرت کے مخالف چیز تھی اس لئے مجھے یقین ہے کہ آپ کو سزا پانے والے سے بڑھ کر تکلیف ہوتی تھی مگر رضائے باری کی خاطر، خدا کے نام پر، اس کی محبت میں جو جہاد فرمایا ہے وہ اس قسم کا جہاد ہے جس کا ذکر حضرت عائشہ صدیقہؓ نے فرمایا ورنہ جو قتال ہے اس میں تو آنحضرت ﷺ نے صرف ایک بدنصیب شخص کو نیزہ مارا تھا اور جس کی نوک سے آخر وہ مارا گیا۔ نوک لگنے سے ہی وہ زخم اتنا گہرا ہو گیا کہ وہ مر گیا، ورنہ حضور اکرم ﷺ کے دشمن کو عملاً مارنے کی کوئی اور گواہی میرے علم میں نہیں ممکن ہے کہ لڑائی کے دوران کہیں تھوڑی بہت ضرب پہنچی ہو لیکن تاریخ نے محفوظ نہ کی ہو۔

پھر فرماتی تھیں: خدا کی خاطر انتقام چھوڑ دیتے تھے، انتقام نہیں لیتے تھے لیکن جب خدا کی حرمت کا سوال اٹھتا اور شعائر کی بے حرمتی کی جاتی تو پھر اس کا انتقام ضرور لیتے تھے۔ مراد وہی بات ہے جو میں نے کی ہے کہ شعائر کی بے حرمتی میں اسی حد تک انتقام لیتے تھے جس حد تک اللہ تعالیٰ انتقام کی ہدایت فرماتا تھا اس سے بڑھ کر نہیں۔ پس اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ میں آنحضرت ﷺ کی سیرت کے وہ تمام پہلو ہیں جن میں آپ کا کسی غصّہ کے اظہار سے رک جانا بھی شامل ہے، محبت اور پیار کا اظہار بھی شامل ہے، عفو بھی شامل ہے اور سزا بھی شامل ہے۔ یہ تمام امور حضور اکرم ﷺ کی توحید کے ساتھ کامل وابستگی کے نشان ہیں توحید کے ساتھ کامل وابستگی ان معنوں میں کہ خدا کے بعد کوئی ذات باقی نہ رہی۔ اپنی ذات بھی آپؐ نے کھو دی۔ جہاں تک آپؐ کی کائنات کا تعلق تھا اس کائنات میں خدا کے سوا کوئی وجود نہیں تھا اور خدا کے وجود کے حوالے سے دوسرے وجود ابھرتے تھے۔ خدا ان وجودوں سے جو سلوک چاہتا تھا، وہی حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ وہی سلوک ان سے کرتے تھے۔ اپنی ذات بھی مٹ گئی تھی، ساری کائنات مٹ چکی تھی۔ صرف ایک اللہ باقی تھا اور اللہ کے حوالے سے ایک نئی کائنات ابھری تھی۔ مؤحد کے لئے ایک نئی دنیا پیدا ہوا کرتی ہے۔ تبھی قرآن کریم نے خَلْقًا اٰخَرَ (المومنون: ۱۵) کا مضمون بیان فرمایا ہے۔ وہ مومن جو حقیقت میں اللہ تعالیٰ سے تعلق باندھ لیتا ہے اور خدا کا اس سے تعلق قائم ہو جاتا ہے اس الٰہی تعلق کے نتیجہ میں وہ خَلْقًا اٰخَرَ پاتا ہے اگر اس کو اسی دنیا میں نئی خلق عطا ہوئی ہے تو باقی دنیا بھی دراصل اس کے لئے ایک نئی خلق کی صورت میں ابھرتی ہے وہ دنیا کو نئے

زاویہ سے دیکھنے لگتا ہے۔

جہاں تک جہاد کے دوران حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ کی اللہ کے لئے غیرت کا تعلق ہے۔ اس سلسلہ میں ایک لمبی حدیث میں سے ایک حصہ میں آپ کے سامنے رکھتا ہوں۔ جنگِ احد میں جب وہ دردناک واقعہ پیش آیا کہ وہ صحابہؓ جو ایک درّے پر مامور فرمائے گئے تھے اور حکم تھا کہ تم نے وہاں سے کسی قیمت پر نہیں ٹلنا لیکن ان میں سے بعض نے جب یہ دیکھا کہ دشمن کے پاؤں اکھڑ گئے ہیں اور بے تحاشہ بھاگ رہا ہے تو انہوں نے یہ سمجھا کہ اب ہمارا جو دائرہ امر تھا وہ ختم ہو گیا ہے یعنی حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ نے ہمارے لئے جو حکم دیا تھا اس کا دائرہ امر ختم ہو گیا۔ اب اس کی حد ختم اور اب ہم آزاد ہیں جو چاہیں کریں، فتح ہو گئی۔ ساری عمر کے لئے تو یہاں نہیں بیٹھنا تھا۔ گویا یہ ان کے ذہن نے سوچا اور یہ سوچ غلط تھی کیونکہ حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ کا فرمان بالکل واضح تھا کہ جب تک میں اجازت نہ دوں خواہ فتح بھی ہو جائے تم نے نہیں ٹلنا۔ بہر حال غلطی ہوئی اور اس کی بہت بڑی سزا سب مسلمانوں کو بھگتنی پڑی کیونکہ بعض دفعہ ایک غلطی سے قوم کو سزا ملتی ہے۔ ایک ڈرائیور ایکسیڈنٹ کرتا ہے لیکن ساری بس کے لوگ مارے جاتے ہیں۔ یہ ایک قانون قدرت ہے کہ بعض غلطیاں قوم کے لئے تکلیف دہ بن جایا کرتی ہیں۔

بہر حال جب وہ ابتلاء کا وقت آیا تو آنحضرت ﷺ اپنے بعض عشاق کے جھرمٹ میں ایک غار میں پناہ گزیں تھے اس وقت ابوسفیان نے بڑی تعلّی سے یہ اعلان کرنا شروع کیا کہ ہم جیت گئے، بدر کا بدلہ لے لیا گیا اور اس اعلان کے بعد اس نے بلند آواز سے یہ کہا کہ کیا مسلمانوں میں محمدؐ ہے؟ یعنی آنحضرت ﷺ زندہ موجود ہیں؟ صحابہؓ نے جواب دینے کی کوشش کی لیکن حضور اکرم ﷺ نے ہاتھ کے اشارے سے منع کر دیا کہ بالکل جواب نہیں دینا۔ پھر اس نے اعلان کیا کہ کیا ابن ابی قحافہ ہے؟ یعنی حضرت ابوبکر صدیقؓ اور بلند آواز سے تین دفعہ اس نے یہی کہا لیکن چونکہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے اجازت نہ دی تھی اس لئے سب خاموش رہے۔ پھر حضرت عمرؓ کے متعلق آتا ہے کہ جب اس نے کہا ابنِ خطاب ہے؟ تو حضرت عمرؓ کچھ بے قابو ہوئے اور جواب پر تلے کیونکہ آپؓ کے مزاج میں اس لحاظ سے ذرا زیادہ تیزی پائی جاتی تھی کہ کون ہوتا ہے عمرؓ کی بے عزتی کرنے والا۔ تو حضور اکرم ﷺ نے پھر ہاتھ کے خاص اشارے سے کہا کہ نہیں بالکل جواب نہیں دینا۔ چنانچہ وہ خاموش

رہے۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے یہ جواب دے دیا تھا مگر میں سمجھتا ہوں کہ یہ روایت کرنے والے نے شاید غلطی کی ہو۔ مجھے اس بات پر تسلی نہیں ہے کیونکہ آخر وقت جو بات رونما ہوتی ہے اس سے پتا چلتا ہے کہ اس وقت تک صحابہؓ آنحضور ﷺ کے اشارے پر خاموش ہی رہے تھے اور دشمن کو پتا نہیں لگ سکا تھا کہ وہ کہاں پناہ گزیں ہیں۔ یہ ممکن ہے کہ حضرت عمرؓ نے آہستہ آواز میں اپنے دل کا غصہ نکال لیا ہو اور حضور اکرم ﷺ کے اشارے کے احترام میں اونچی آواز استعمال نہ کی ہو مگر یہ پہلو غور طلب ہے کہ آپ نے جواب دیا تھا یا نہیں بہر حال جب یہ بات ختم ہوئی پھر ابوسفیان نے بڑے زور سے یہ نعرہ لگایا۔ اعْلُ هبل اعْلُ هبل کہ ہبل کی سربلندی ہو۔ ہبل کی سربلندی ہو۔ اس پر حضور اکرم ﷺ بے قرار ہو گئے اور فرمایا جواب کیوں نہیں دیتے؟ جواب کیوں نہیں دیتے یعنی جب تک ذاتی انسانی عزتوں کا سوال تھا تو آپؐ کو کوئی پرواہ نہیں تھی اور حکمت کا تقاضا بھی یہی تھا۔ بہت زخمی تھے، چند تھے، کمزور تھے، دشمن بڑا غالب تھا اور عارضی فتح اس کے سر کو چڑھی ہوئی تھی۔ ایسے موقعہ پر جواب دے کر اپنی جان خطرے میں ڈالنے والی بات تھی۔ پس جب تک انسانی عزتوں کا سوال تھا حضور اکرم ﷺ نے بار بار سختی کے اشارے سے صحابہؓ کو منع کیا۔ نہ اپنی عزت کی پرواہ کی نہ دوسرے صحابہؓ کی عزت کی مگر جب اس نے ھبل جھوٹے خدا کی بلندی کا نعرہ لگایا تو حضور اکرم ﷺ بے قرار ہوئے اور فرمایا جواب کیوں نہیں دیتے، جواب کیوں نہیں دیتے؟ صحابہؓ نے عرض کیا: یارسول اللہ کیا جواب دیں؟ آپؐ نے فرمایا۔ اس سے کہو اور یہ اعلان کروں کہ اللّٰہ اَعْلٰی وَاَجَل ،اللّٰہ اعلیٰ و اجل خدا ہی ہے جو سب سے زیادہ معزز ہے اور سب سے زیادہ جلیل القدر اور جلیل الشان ہے۔ اس سے زیادہ شاندار کوئی وجود نہیں ہے۔ (بخاری کتاب المغازی: ۲۷۲۷)

پس حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ کی زندگی کا ہر پہلو اللہ تعالیٰ کے جلال اور اس کے جمال کے تابع تھا اور کوئی فیصلہ خدا کی عظمت کے تصور کے بغیر نہیں تھا۔ انسانی عظمت کے تصور کو آپ کے فیصلوں میں کوئی دخل نہیں تھا کلیۃً اللہ کی عظمت کے پیش نظر آپؐ بولتے تھے، اللہ کی عظمت کے پیش نظر خاموش رہتے تھے اور کسی انسانی مفاد کا آپؐ کے بولنے اور آپؐ کی خاموشی میں کوئی دخل نہیں تھا۔ جب خدا تعالیٰ کی توحید بیان کرتے تو ایک خاص جوش پیدا ہو جاتا تھا، ایک خاص جلال پیدا ہوتا تھا اور صحابہؓ کی زندگی پر اتنا گہرا اثر پڑتا تھا کہ بعض ایسے خطابات ہیں جن کو صحابہؓ نے سنا اور ازبر کیا اور

آگے اپنی نسلوں تک ان خطابات کو پہنچاتے رہے۔ایک موقع پر حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے اس طرح اللہ تعالیٰ کے جمال اور جلال کا ذکر فرمایا۔ان الفاظ میں آپ کے سامنے میں یہ حدیث رکھتا ہوں۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اللہ فرماتا ہے۔اے میرے بندو! میں نے اپنی ذات پر ظلم حرام کر رکھا اور میں نے اسے تمہارے درمیان بھی حرام قرار دیا ہے۔پس تم ایک دوسرے پر ظلم نہ کرو۔اے میرے بندو! تم سب گم گشتہ راہ ہو سوائے ان لوگوں کے جن کو میں صحیح رستے کی ہدایت دوں پس مجھ سے ہدایت طلب کرو۔(مسلم کتاب البر والصلۃ حدیث نمبر:۴۶۷۴)

یہاں 'اپنی ذات پر ظلم حرام کر رکھا ہے' کے بعد فرمایا اور میں نے اسے تمہارے درمیان بھی حرام قرار دیا ان دو باتوں کا گہرا تعلق ہے اور یہ تعلق میں آپ پر واضح کرنا چاہتا ہوں۔اللہ تعالیٰ کی ذات میں انسان کے تمام مصالح اور تمام مفادات مجتمع ہو جاتے ہیں کیونکہ اگر خدا ہی ہے اور کچھ نہیں تو انسان کے سارے مفادات اس ایک ذات سے وابستہ ہو جاتے ہیں لیکن وہ مفادات حاصل کیسے ہوں گے؟ آنحضرت ﷺ نے ان اسرار سے پردہ اٹھایا ہے اور یہ فرما رہے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے اپنی ذات پر ظلم حرام قرار دیا ہے۔پس جب تک تم اپنی ذات پر ظلم حرام قرار دیئے رکھو گے تمہارا تعلق خدا سے رہے گا۔جو تمہیں ظلموں سے بچانے کا ذمہ دار ہو جائے گا۔اگر تم نے اپنی ذات پر ظلم حلال کر لئے تو خدا کے اس پہلو سے تمہارا تعلق ٹوٹ جائے گا۔یعنی خدا کی ذات سے تعلقات کی دراصل ایک حبل نہیں بلکہ بہت سی رسیاں ہیں اور ہر رسی کا کسی خاص حصے سے تعلق بنتا ہے بعض لوگ کسی ایک صفت میں اللہ تعالیٰ کی کامل غلامی اختیار کرتے ہیں اور اسی کے ہو جاتے ہیں۔اس لئے کہ وہ بعض دوسرے صفات میں ویسے نہیں ہو سکتے خدا اس پہلی نیکی کے پھل سے ان کو محروم نہیں رکھتا جس جگہ بھی اور جتنا بھی تعلق انسان خدا سے باندھے اسی حد تک خدا اپنے رحم و کرم کے جلوے اور اپنے فضل کے جلوے اس انسان کو دکھاتا ہے۔پس ٹکڑوں ٹکڑوں میں سے آنحضرت ﷺ نے جو نصائح فرمائی ہیں ان میں یہ حکمت ہے کہ تم کمزور انسان ہو کس طرح دنیا کے ظلموں سے بچ سکتے ہو۔تم میں طاقت ہی نہیں ہے لیکن تم میں ایک طاقت ضرور ہے کہ اگر چاہو تو دنیا کو اپنے ظلموں سے بچا لو۔اللہ تعالیٰ تم سے یہ توقع تو نہیں رکھتا کہ تم طاقت سے بڑھ کر دنیا کے ہر ظالم کے ظلم سے بچتے رہو جیسے فرمایا لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا لیکن اس کیساتھ ہی یہ نصیحت ضرور کرتا ہے کہ خدا کے نام

پر بنی نوع انسان کو اپنے ظلموں سے بچاؤ۔ اگر تم ایسا کرو گے تو خدائے واحد کی غیرت تمہاری حفاظت فرمائے گی اور تمہیں بنی نوع انسان کے ظلموں سے بچائے گی۔

پھر فرمایا: اے میرے بندو! تم سب گم گشتہ راہ ہو، سوائے ان لوگوں کے جن کو میں صحیح رستے کی ہدایت دوں۔ پس مجھ سے ہدایت طلب کرو میں تمہیں ہدایت دوں گا۔ ایک ہدایت تو وہ جو قرآن کی صورت میں ہمیشہ ہمیش کے لئے ہم تک آ پہنچی اور وہ جاری وساری ہدایت ہے پھر یہاں کس ہدایت کا ذکر ہے؟

اصل واقعہ یہ ہے کہ قرآن کریم کی ہدایت سے فیض یاب ہونے کے لئے بھی اللہ تعالیٰ سے ہدایت مانگنی پڑتی ہے بہت سے ایسے لوگ ہیں جو قرآن کریم پڑھتے ہیں، جگہ جگہ ان کے لئے اشکال آتے ہیں۔ وہ علماء کی طرف دوڑتے ہیں، کتابیں بھی پڑھتے ہیں اور کوشش کرتے ہیں کہ وہ مشکلات دور ہو جائیں یہ اچھی بات ہے، محنت کرنی چاہئے مگر سب سے پہلے دعا کرنی چاہئے اور یہی مضمون یہاں بیان ہوا ہے۔ وہ لوگ جو دعا کی طرف متوجہ نہ ہوں اور انسانوں سے قرآن کریم کے مسائل سمجھنے کی کوشش کریں۔ پہلا انحصار انسانوں پر ہو ان کو کبھی بھی سچا عرفان نصیب نہیں ہوتا۔ بعض لوگ ایسے ہیں کہ پھر ان کو ایک اشکال کے بعد دوسرا اشکال دکھائی دینے لگتا ہے۔ ایک مسئلہ حل ہوتا ہے تو ایک اور کھڑا ہو جاتا ہے۔ چنانچہ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک موقع پر بڑی واضح نصیحت فرمائی کہ تم مجھ سے پوچھتے ہو، اچھی بات ہے پوچھا کرو لیکن دعا تو کیا کرو۔ دعا کر کے خدا سے براہ راست ہدایت طلب کیا کرو۔ پھر بہت سے ایسے مسائل ہیں جو خدا خود تمہیں سمجھا دے گا اور اس طرح ہر بات میں احتیاج نہیں رہے گا۔

یہ لازم ہے کہ ہر انسان کا ایک مرتبہ، ایک مقام ہوتا ہے خدا تعالیٰ نے بعض کو زیادہ عرفان عطا کیا ہوتا ہے بعضوں کو کم، اس لئے دعا کے بعد بھی ایک احتیاج رہ جاتا ہے لیکن اس احتیاج میں اور دعا کے بغیر احتیاج میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ دعا کے بعد جو احتیاج باقی رہتا ہے اسے اللہ تعالیٰ خود پورا فرماتا ہے۔ تسلی عطا کرتا ہے جو ہر سائل کا اصل مقصد ہے کہ اس کے دل کو تسلی نصیب ہو۔ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سنت بھی تو یہی تھی دل میں ایک اشکال پیدا ہوا کہ مردے کیسے زندہ ہوں۔ وہ قومیں جو صدیوں سے مری ہوئی ہیں یہ کیسے زندہ ہو جائیں گی۔ اللہ تعالیٰ سے بڑی

عاجزی کے ساتھ عرض کیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تو ایمان نہیں لاتا؟ عرض کیا کہ اے آقا! ایمان تو لاتا ہوں لیکن دل کو بھی تو اطمینان نصیب ہو۔ بہت ہی پیاری بات ہے۔ اس کو پیش نظر رکھیں۔ ایمان کے ذریعہ قرآن کریم کی ہر بات کو تسلیم کرنا یہ اور بات ہے۔ یہ ایمان اور اسلام کے ساتھ تعلق والی بات ہے۔ طمانیت قلب کا مضمون اور ہے۔ آپ ہاں کہہ جاتے ہیں۔ سر تسلیم خم کر دیتے ہیں لیکن بعض دفعہ دل مطمئن نہیں ہوتا، اطاعت کے جذبے سے ایسا کرتے ہیں مگر انبیاء اور اصدقاء کی سنت یہ ہے کہ وہ خدا تعالیٰ سے تسکین دل بھی طلب کرتے ہیں اور اس کے بغیر ایمان کو درحقیقت دائمی زندگی نصیب نہیں ہوا کرتی۔ جہاں طمانیت قلب میں کمی ہو وہاں جگہ جگہ خلا پیدا ہو جاتے ہیں اور وہ خلا جو ہیں وہ عمومی کمزوری کا موجب بن جایا کرتے ہیں۔ بعض دفعہ جب ہوائی جہازوں کے پَرٹوٹ جاتے ہیں اور تحقیق کی جاتی ہے تو پتا چلتا ہے کہ جب ان کو بنایا گیا تھا تو ہوا کے بعض بلبلے ان کی تخلیق میں داخل ہو گئے اور جہاں جہاں بلبلہ ہے وہاں وہاں کمزوری ہے۔ پس کثرتِ استعمال سے ان بلبلوں کے اردگرد کمزوری بڑھنا شروع ہوئی اور بالآخر وہ پَرٹوٹ گئے جب کہ سائنس کے نقطہ نگاہ سے جس طرح تیاری کی جاتی ہے بظاہر ان کو نہیں ٹوٹنا چاہئے۔ پس ایمان میں بھی بعض دفعہ خلا کے بلبلے آجاتے ہیں اور وہی جگہ ہے جس کا طمانیت سے تعلق ہے۔

پس وہ لوگ جن کے دل مطمئن نہیں ہوئے ان کو لازماً اللہ کی طرف توجہ کرنی چاہئے اور خدا سے ہدایت طلب کرنی چاہئے اور خدا نے وعدہ فرمایا ہے کہ تم مجھ سے ہدایت مانگو گے تو میں تمہیں ضرور ہدایت دوں گا۔ پس اللہ تعالیٰ کے ہدایت عطا کرنے کے کئی رستے ہیں۔ بعض دفعہ دل میں ایک سوال اٹھتا ہے تو ضروری نہیں کہ اس کا جواب خدا کی طرف سے رؤیا میں ملے یا ویسے القاء ہو، اچانک ایک کتاب پر ہاتھ پڑ جاتا ہے اور اسی کتاب میں وہی مضمون بیان ہوا ہوتا ہے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کوئی تحریر سامنے آجاتی ہے جس سے سارا مسئلہ حل ہو جاتا ہے۔ **پس ہدایت طلب کرنے کی عادت کو اختیار کریں اور اس کو پکڑ لیں۔ ہر مشکل کے وقت پہلے اللہ ہی کا خیال آنا چاہئے۔ خدا ہی سے مدد مانگیں۔ ہر مسئلہ کے وقت پہلے اللہ سے پوچھیں اور پھر دنیا کی کوشش ضرور کریں۔** پھر اللہ تعالیٰ ان میں برکت ڈالے گا۔

پھر فرماتا ہے۔ میرے بندو! تم سب بھوکے ہو سوائے اس کے جس کو میں کھانا کھلاؤں، پس

مجھ سے رزق طلب کرو۔ میں تم کو رزق دوں گا۔ یہاں صرف بھوکے پیش نظر نہیں ہیں جن کو واقعی کھانا نہیں ملتا۔ امیر بھی اور غریب بھی تمام بنی نوع انسان اس میں شامل ہیں۔ پس ہر کھانا جو ہمیں نصیب ہوتا ہے وہ اللہ کی طرف سے عطا کردہ رزق ہے۔ اگر خدا اس رزق سے ہاتھ کھینچ لیتا تو ہمیں نصیب نہ ہوتا۔ بعض دفعہ خدا تعالیٰ اس طرح بھی ہاتھ کھینچتا ہے کہ رزق سامنے ہے لیکن کھانے کی توفیق ہی نہیں۔ بچے ہیں جن کو بیماری ہو جاتی ہے اور بھوک ہی نہیں لگتی ماں باپ روتے پھرتے ہیں کہ ان کو ہم اچھے سے اچھا کھانا دیتے ہیں لیکن ان کے نصیب میں ہی نہیں ہے۔ پس یہ بہت بڑا اور وسیع مضمون ہے جس کا زندگی کے ہر شعبے سے تعلق ہے جس میں انسان رزق کا محتاج ہو، خواہ وہ رزق مال و دولت کی شکل میں ہو، خواہ وہ کھانے پینے کی شکل میں رزق ہو۔ بعض دفعہ مال و دولت نصیب ہوتا بھی ہے لیکن اس کا فیض انسان کو حاصل نہیں ہوتا۔ مال، بڑے بڑے امیر لوگ ایسے ہیں جن کے سینوں میں آگ لگی رہتی ہے کچھ بھی فائدہ نصیب نہیں ہوتا۔ پس فرمایا ہے کہ میں رازق ہوں۔ میں رزق دیتا ہوں مجھ سے مانگو۔ اس کا مطلب ہے کہ ہمیں رزق نصیب بھی ہو تو خدا سے ضرور رزق مانگنا چاہئے۔ وہ رزق خدا کی طرف سے عطا کردہ رزق بنا ہوا ہو اور ہماری کمزوریوں کے نتیجہ میں حاصل کردہ رزق نہ ہو۔

جب آپ اس مضمون میں داخل ہوں تو مالی معاملات میں صفائی کا مضمون اس کے ساتھ گہرا تعلق رکھتا ہے۔ ایک طرف انسان خدا کو یہ عرض کرتا ہے کہ اے خدا! میرا تو ہر کھانا تیری عطا ہے۔ تجھ سے نہ مانگوں تو مجھے کچھ بھی نہ ملے اور دوسری طرف بھائیوں سے، دوستوں سے بد دیانتیاں بے ایمانیاں اور جھوٹے وعدے کر کے پیسے بٹورنا، بلکہ بعض لوگ اپنے ماں باپ کی وفات پر اپنے بھائیوں اور بہنوں کے حق مار جاتے ہیں۔ کئی ایسے مقدمے ہیں جن سے پتا چلتا ہے کہ بہنیں عمر بھر روتی رہیں لیکن ظالم بھائی قابض تھے انہوں نے جائیداد میں سے بہنوں کو کچھ نہ دیا۔ یہ ساری مثالیں عملاً شرک کی مثالیں ہیں اور ان کا تعلق اس حدیث کے اس حصے سے ہے کہ میں رزق دیتا ہوں مجھ سے طلب کرو، دھوکے بازیاں کیوں کرتے ہو، بد دیانتیاں کیوں کرتے ہو، ایک دوسرے کا حق کیوں مارتے ہو۔ اگر تم ایسا کرو گے تو وہ کھانا جو تم کھا رہے ہو وہ خدا کا عطا کردہ نہیں رہے گا یعنی خدا تعالیٰ کی رضا اس میں شامل نہیں رہے گی اور ایسا رزق تو زہر بن جائے گا۔ تمہارے دین و دنیا کے لئے تباہی کا موجب بن سکتا ہے۔

پھر فرمایا میرے بندو! تم سب ننگے ہو سوائے اس کے جس کو میں لباس پہناؤں ۔ اب دیکھیں ہم سب نے لباس پہنے ہوئے ہیں اور کبھی خیال ہی نہیں آتا کہ اللہ تعالیٰ نے لباس پہنایا ہے، مگر آنحضرت ﷺ کا دستور یہ تھا کہ جب کوئی لباس پہنتے تھے تو پیار کے ساتھ بسم اللہ پڑھا کرتے تھے اور اس کو اس طرح ہاتھ لگاتے تھے جس طرح ایک محبوب نے تحفہ دیا ہے۔ محبت اور ملائمت کے ساتھ پھیرتے اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے اس نے عطا کیا ہے۔

تو وہ لباس تھا جو واقعی اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا تھا۔ وہ دنیا کا لباس بھی لباس التقویٰ بن گیا تھا۔ حضرت رسول اللہ ﷺ کا ہر لباس لباس التقویٰ تھا کیونکہ ہر لباس کو اللہ کی عطا سمجھتے تھے۔ وہ بیوقوف جن کے پاس بے شمار لباس پڑے ہوئے ہیں اور وہ یہی سمجھتے ہیں کہ ہماری کوششوں سے ہماری محنتوں سے ہمیں نصیب ہو گئے ہیں اور خدا کا شکر دل میں پیدا نہیں ہوتا وہ ننگے ہی رہتے ہیں پس یہاں، تم ننگے تھے میں تمہیں پہناتا ہوں، کا ایک اور مضمون بھی ہے اور وہ یہ کہ تم ہر لباس میں ننگے ہو جب تک اللہ تمہیں لباس فاخرہ عطا نہ کرے۔ پس خدا سے لباس مانگو غالب بھی کہتا ہے۔

ڈھانپا کفن نے داغِ عیوبِ برہنگی
میں، ورنہ ہر لباس میں ننگِ وجود تھا (دیوان غالب صفحہ: ۲۷)

میری تو ساری زندگی ایک ننگے وجود میں کٹی۔ ننگے وجود کے دو معنی ہیں۔ اصل معنی تو ہے۔ وجود کے لئے شرم یعنی میرا وجود، وجود کے لئے ایک شرم اور عار تھا۔ ایک ناقص انسان تھا کہ وجود گویا مجھ سے شرمندہ ہوتا تھا کہ یہ بھی کوئی وجود ہے لیکن اس میں ایک فن ہے کھیل کھیلا گیا ہے ننگے کا مطلب ویسے ننگا ہونا بھی ہے ان دونوں مضمونوں کو اکٹھا کر کے غالب کہتا ہے۔

ڈھانپا کفن نے داغ عیوب برہنگی
میں، ورنہ ہر لباس میں ننگ وجود تھا

میرے ننگے پن کے سارے داغ کفن نے ڈھانپ لئے ورنہ میں تو ہر لباس میں ننگا ہی تھا یعنی دوسرے معنوں میں یہ بات بنتی ہے اور حضور اکرم ﷺ فرما رہے ہیں کہ تم خدا کے فضل کے بغیر ایسے ننگے ہو کہ کفن بھی تمہارا ننگ نہیں ڈھانپ سکتا۔ صرف اللہ کا فضل اور فیض ہے جو تمہارے تن ڈھانپ سکتا ہے۔ پس لباس التقویٰ چاہتے ہو تو ہر لباس پر اس طرح نظر کرو کہ گویا خدا نے عطا کیا

ہے اور اپنے آپ کو اس کے بغیر ننگا سمجھو تو ہمارا ہر لباس جو بھی ہے وہ تقویٰ کا لباس بن جائے گا اور خدا کے فضلوں کا لباس بن جائے گا۔ وہ ہمارے ظاہری عیوب ہی نہیں ڈھانپے گا خدا کے فضل کا ہاتھ اس میں ایسی برکت ڈالے گا کہ ہمارے باطنی عیوب بھی ہر لباس میں چھپے رہیں گے۔

پھر حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ خدا فرماتا ہے۔ اے میرے بندو! تم دن رات غلطیاں کرو تو بھی میں تمہارے گناہ بخش سکتا ہوں پس مجھ سے ہی بخشش مانگو۔

اب چونکہ وقت ختم ہو رہا ہے اس لئے باقی آئندہ، جو میں انشاء اللہ بیان کروں گا تاہم اس ضمن میں یہ بات پیش نظر رکھنی چاہئے کہ خدا سے بخشش طلب کرنے کا تعلق بھی انسان کے بخشش کرنے سے ہے اور وہ شخص جو خدا کی راہ میں خدا کی مرضی کے تابع بخشش کرتا ہے اس پر اللہ تعالیٰ ہمیشہ بخشش کی نظر رکھتا ہے۔ ہمیشہ اس سے بخشش کا سلوک فرماتا ہے۔ یہ مضمون بعض دفعہ لوگوں کے ذہنوں میں الجھ جاتا ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ بخشش کا مطلب یہ ہے کہ ہر بات میں بخشش کر دو حالانکہ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے فرمایا تھا کہ خدا کے معاملہ میں آنحضرت ﷺ اپنے دل کی نرمی کو دخل نہیں دینے دیتے تھے مجھے بھی بعض لوگ لکھ دیتے ہیں۔ اچھا ہوا آپ نے بخشش کا مضمون بیان فرما دیا۔ آپ ہم سے ناراض ہیں اور فلاں بات پر ہمیں سزا ملی ہوئی ہے۔ اب اس بخشش کے حوالے سے بخش دیں ورنہ خدا آپ کو نہیں بخشے گا۔ یعنی یہ کہتے تو نہیں ہیں لیکن مراد یہی ہوتی ہے حالانکہ وہ ایسے مقامات ہیں کہ اگر میں بخش دوں تو خدا مجھے نہیں بخشے گا کیونکہ وہاں مجھے اجازت نہیں ہے۔ انصاف کے ایک ہاتھ سے ہر قصوروار سے جو سلوک ہے خواہ وہ دنیا میں کہیں بھی ہو وہ مجبوری ہے۔ وہاں وہ حدیث سامنے آتی ہے کہ اگر میری بیٹی فاطمہ نے بھی یہ کام کیا ہوتا تو میں اس کے ہاتھ کاٹ دیتا۔ (بخاری کتاب المغازی حدیث نمبر: ۳۹۶۴) پس بخشش کے بھی مقامات ہیں اور مراد یہ نہیں ہے کہ آنکھیں بند کر کے بخشتے چلے جاؤ۔ ایسی بخشش کی اجازت ہے جس سے خدا راضی ہو۔ لِلّٰہ ہو۔ ایسی بخشش کی اجازت نہیں ہے جس سے خدا ناراض ہو۔ اس دائرے میں رہتے ہوئے آپ جتنا بھی بخشش سے کام لیں گے اتنا ہی اللہ تعالیٰ آپ سے راضی ہوگا اور خدا آپ سے بخشش کا سلوک فرمائے گا۔ اب چونکہ وہ پہلا وقت جو غلطی سے استعمال نہیں ہو سکا تھا اور اس کے بدلے ہمیں پندرہ منٹ زائد دیئے گئے تھے وہ بھی ختم ہو گئے ہیں اس لئے آج اس خطبہ کو میں ختم کرتا ہوں باقی انشاء اللہ تعالیٰ اسی مضمون کو اگلے خطبہ میں آگے بڑھایا جائے گا۔